قرآن مجید اور کمزور طبقات کے حقوق

حافظ ابوسفیان اصلاحی

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے۔ اس میں ہر طبقہ و گروپ کے حقوق و فرائض واضح طور پر بیان کردیے گئے ہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے سبھی حقوق واجب الادا ہیں اور ان میں سے کسی کے تئیں کوتاہی موجب سزا ہوگی تاہم قرآن مجید کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور طبقات کے حقوق کے تئیں زیادہ حساس ہے اور ایسا لگتا ہے ہماری زندگی کی کامیابی و ناکامی کا انحصار بہت کچھ انہی حقوق کی ادائیگی پر ہے۔ قرآن مجید نے ان کمزور طبقات کی جونشان دہی کی ہے ان کی کل تعداد کم وبیش دس ہے۔ ذیل میں انہی طبقات کے حقوق سے بحث کی جائے گی۔

یتیم

یتیم سے مراد وہ کمسن بچہ ہے جو باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوجائے۔ یہ معاشرہ کا سب سے زیادہ کمزور طبقہ ہے اور افراد معاشرہ کے لطف و کرم اور عنایت و توجہ کا مستحق ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب معاشرہ میں یتیموں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان کے ساتھ ہر طرح کا ظلم وستم روا تھا۔ کمزور اور بے سہارا ہونے کی وجہ سے ان کی جائداد تک ہڑپ کرلی جاتی تھی۔

قرآن مجید نے یتیموں کو عزت و وقار بخشا اور والدین اور ذوی القربی کے حقوق کی ادائیگی کے بعد یتیموں کو معاشرہ میں حسن سلوک کا اولین مستحق قرار دیا۔ اس سے معاشرہ میں ان کے مقام ومرتبہ کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لاَ تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَذِيْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنِ (البقرہ/۸۳)

اللہ کے سوا کسی کی عبات نہ کروگے۔ والدین کے ساتھ احسان کروگے۔قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کو ان کا حق دوگے۔

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کو دین داری کا اعلیٰ معیار قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِيْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنَ (البقرہ/۱۷۷)

اور اپنے مال، اس کی محبت کے باوجود، قرابت مندوں، یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرو۔

یتیموں کے ساتھ کسی بھی طرح کی ظلم و زیادتی سے باز رہنے اور اسے کمزور پا کر دبانے اور اس کے حقوق غصب نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (الضحیٰ/۹)

تو جو یتیم ہے اس کو مت دباؤ۔

اللہ تعالیٰ یتیموں کے مال کے تحفظ کے تئیں بہت حساس ہے اس لیے بجز نیک نیتی اور بہبود کے اس کے قریب بھی پھٹکنے سے روکتا ہے۔

وَلاَ تَقْرَبُواْ مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (اسراء/۳۴)

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر اس طریقہ سے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔

اور جو لوگ ظلم و زیادتی کے ذریعہ یتیموں کا مال ہڑپ لیتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم قرار دیا:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْراً (النساء/۱۰)

جو لوگ ظلم و ناانصافی سے یتیموں کا مال ہڑپ کر رہے ہیں وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔

قرآن مجید یتیموں کے اولیاء کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ یتیموں کے مال کو اپنے ناقص مال سے تبدیل کر کے اسے خرد برد کرنے کی ہرگز کوشش نہ کریں۔

وَآتُواْ الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُواْ الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (النساء/۲)

اور یتیموں کے مال ان کے حوالہ کرو، اور اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے نہ بدلو۔

قرآن مجید یتیموں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے ان کے اولیاء اور سرپرست کو اس کی سہولت دیتا ہے کہ اگر وہ ضرورت محسوس کریں اور عدل کے تقاضے پورے کرسکیں تو ان کی ماؤں سے دو دو تین تین شادیاں کرسکتے ہیں۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء/۳)

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے جو تمہارے لیے جائز ہو ان سے دو دو، تین تین، چار چار تک نکاح کرلو اور اگر ڈر ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو۔

اسی طرح قرآن مجید یتیموں کے اولیاء کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ ان کے مال کی وہ اس وقت تک حفاظت کرتے رہیں جب تک وہ عقلی طور پر سن بلوغ کو نہ پہونچ جائیں اور شعوری طور پر اپنے مال کے تحفظ کے اہل نہ ہو جائیں البتہ اس دوران ان کے مال کو اللے تللے اڑا کر ضائع نہ کریں اور اگر وہ خوش حال اور مستغنی ہوں تو یتیموں کے مال سے کچھ بھی لینے سے پرہیز کریں۔ ہاں اگر خود ضرورت مند ہوں تو دستور کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جب ان کے مال واپس کرنے کا فیصلہ کریں تو کچھ معتبر لوگوں کو گواہ بنالیں تا کہ کسی نزاع اور بدگمانی کا احتمال باقی نہ رہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ (النساء/۶)

اور ان یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہونچ جائیں تو اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالہ کردو اور اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اسراف اور جلد بازی کر کے ان کا مال ہڑپ نہ کرو اور جو غنی ہو اس کو چاہیے کہ وہ پرہیز کرے اور جو محتاج ہو تو وہ دستور کے مطابق اس سے فائدہ اٹھائے۔ پھر جب تم ان کا مال ان کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ ٹھہرالو۔

قرآن مجید یتیموں کے ساتھ اس طرح حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے کہ انھیں شفقت پدری سے محرومی کا مطلق احساس نہ ہو۔

وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ (النساء/۳۶)	اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین، قرابت دار، یتیم اور مسکین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

قرآن مجید کی تعلیمات سے یہ سبق ملتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ محض حسن سلوک ہی نہیں بلکہ احسان واکرام کا معاملہ ہونا چاہیے۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ عزت وتکریم کا معاملہ نہیں کرتے وہ ان کی سخت مذمت کرتا ہے۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ (الفجر/۱۷)	بلکہ تم یتیموں کی قدر نہیں کرتے۔

قرآن مجید مال غنیمت اور مال فئے میں بھی یتیموں کو حق دار قرار دیتا ہے اور ان کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربی کے معاً بعد اس طرح کرتا ہے جیسے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں میں شامل ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس سے مقصود اس طبقہ کی عزت افزائی ہے۔

وَاعْلَمُواْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى (الانفال/۴۱)	اور جان لو کہ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں اور یتیموں کے لیے ہے۔
مَّا أَفَاء اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ (حشر/۷)	جو کچھ اللہ بستیوں والوں کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹائے تو وہ اللہ اور رسول اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں کے لیے ہے۔

مختصراً یہ کہ یتیم معاشرہ کا سب سے زیادہ کمزور طبقہ ہے لیکن مذکورہ آیات میں جس طرح ان کے حقوق کے تحفظ اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور عزت وتکریم کی تاکید کی گئی ہے یہ

شرف کسی اور کو حاصل نہیں ۔قرآن یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں یتیم کسمپرسی کی زندگی گزارنے کے بجائے سب کی آنکھوں کا تارہ بن کر رہے اور اس کے حقوق کے تئیں سب چوکنے اور بیدار رہیں اور اسے کسی بھی طرح شفقت پدری سے محرومی کا احساس نہ ہو۔

مسکین

اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنے فقر و مسکنت، عاجزی و درماندگی، جسمانی معذوری، فقدان عزم و حوصلہ کی وجہ سے زندگی کی جدو جہد میں حصہ لینے سے عاجز ہو اور صرف دوسروں ہی کی امداد اس کا سہارا ہو۔گویا فقر کے ساتھ اس کے اوپر مسکنت و بے بسی کا غلبہ ہو، اس اعتبار سے مسکین وہ فرد ہے جو عام حاجت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہو۔

قرآن مجید معاشرہ کے ایسے کمزور اور خستہ حال افراد پر اپنا قیمتی اور محبوب مال خرچ کرنے کو حقیقی دین داری اور وفاداری کا اعلیٰ معیار قرار دیتا ہے۔

وَآتَـى الْـمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِیُ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنَ (البقرہ/۱۷۷)

وفاداری ان کی وفاداری ہے جو) اپنے مال اس کی محبت کے باوجود قرابت مندوں تیموں اور مسکینوں پر خرچ کریں۔

چنانچہ ایسے لوگ جو ایسے حاجت مندوں کی ضرورتوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور بغیر کسی شکر و ستائش کی تمنا کے محض رضائے الٰہی کے لیے اپنا محبوب اور قیمتی مال ان پر صرف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی بڑی تحسین کرتا ہے۔

وَيُـطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيْناً (انسان/۸)

اور وہ مسکین کو کھانا کھلاتے رہے ہیں۔

قرآن مجید نے مسکینوں کے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے ہر صاحب مال کے مال میں ان کا حق متعین کر دیا ہے جس کی ادائیگی صاحب مال پر لازمی ہے اور اگر کوئی شخص اسے ادا نہیں کرے گا تو عنداللہ غصب حقوق کا مجرم قرار پائے گا۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ (اسراء/۲۶)	اور تم قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین کو۔

قرآن مجید کی رو سے ہر صاحب مال کے مال میں دوسروں کے بھی حقوق ہوتے ہیں جن کو ادا کیے بغیر وہ خدا کی خوشنودی اور آخرت میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (روم/۳۸)	پس قرابت دار کو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق دو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے جو لوگ مسکینوں کے حقوق کو نہ خود ادا کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس پر آمادہ کرتے ہیں وہ خدا کے نزدیک مجرم ہیں۔

وَلَا تَحَاضُّوْنَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (فجر/۱۸)	اور نہ مسکینوں کے کھلانے پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہیں۔
وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (ماعون/۳)	اور مسکینوں کے کھلانے پر نہیں ابھارتا۔

مسکینوں کے حقوق ادا نہ کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے مجرم کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ. ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ. ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعاً فَاسْلُكُوْهُ. إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيْمِ. وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (حاقہ/۳۰-۳۴)	اس کو پکڑو، پھر اس کی گردن میں طوق ڈالو، پھر اس کو جہنم میں جھونک دو ... یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ مسکینوں کے کھلانے پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔

مجرمین جہنم میں اپنے جن گناہوں کا اعتراف کریں گے ان میں مسکینوں کے حقوق ادا نہ کرنا بھی شامل ہے۔

قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ. وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ (مدثر/۴۳-۴۴)	ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ غریبوں کو کھلاتے ہی تھے۔

مساکین کے حقوق کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے صدقات واجبہ میں ان کو اولین مستحقین میں شامل کیا ہے، اب یہ حکومت و معاشرہ کی ذمہ داری ہے اس حق کو اس طرح ادا کریں کہ ان کی احتیاج باقی نہ رہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ (توبہ/۶۰)	صدقات تو بس محتاجوں اور مسکینوں کے لیے ہیں۔

قرآن مجید نے مساکین کی احتیاج کو دیکھتے ہوئے مال غنیمت اور مال فئے میں بھی انھیں حق دار بنایا ہے۔ اسی طرح کفارۂ قسم، کفارہ شکار، کفارۂ ظہار اور فدیۂ صوم میں بھی انھیں مستحق قرار دیا ہے۔

قرآن مجید نے ان مختلف جہتوں سے مساکین کے جو حقوق متعین کیے ہیں اگر اسے ایماندارانہ طور پر ادا کیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ مساکین کے سارے مسائل حل ہو جائیں اور وہ بھی معاشرہ میں عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں گے اور فی الواقع یہی مطلوب ہے۔

فقیر

فقیر غنی کی ضد ہے، غنی اس کو کہتے ہیں جو اپنی ذات میں کامل ہو اور خارج سے کسی چیز کا محتاج نہ ہو اس کے بالمقابل فقیر اس کو کہیں گے جو اپنی ذات میں کامل نہ ہو بلکہ خارجی امداد کا محتاج ہو۔ اس معنی و مفہوم پر ذیل کی آیت سے روشنی پڑتی ہے۔

یَا أَیُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر/۱۵)	اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اللہ تو بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔

قرآن مجید نے فقیر کے جو اوصاف بیان کیے ہیں آیاتِ ذیل کی روشنی میں اسے جانا اور پہچانا جا سکتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ أُحصِرُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لاَ يَسْتَطِيْعُونَ ضَرْباً فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيْمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافاً (البقرہ/۲۷۳)

یہ ان غریبوں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، زمین میں کاروبار کے لیے نقل وحرکت نہیں کر سکتے۔ بے خبر خود داری کے سبب ان کو غنی خیال کرتا ہے تم ان کو ان کی صورت سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

گویا فقیر کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ کسی دینی مقصد کے حصول میں اس قدر مصروف ہو کہ کسب معاش کی جدو جہد کے لیے اسے بالکل وقت نہیں نہ مل پاتا ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اس قدر خود دار ہو کہ کہیں سے اپنی احتیاج کو ظاہر نہ ہونے دیتا ہو اور اگر بے خبر لوگ اسے دیکھیں تو مال دار ہی سمجھیں۔ تیسرے یہ کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا گوارا نہ کرے گا۔

فقیر کے اس معنی ومفہوم کی روح اور اس کے اوصاف پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے جب وہ مصر سے ہجرت کر کے مدین پہونچے تھے اور وہاں حضرت شعیبؑ کی بچیوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا، لیکن اس کے بعد ایک حرف بھی ان صاحب زادیوں کے سامنے ان کی زبان سے ایسا نہیں نکلا جس سے ان کی کسی پریشانی یا مسافرت یا ضرورت کا اظہار ہو... اور اپنے رب سے دعا کی اے رب جس منزل کو سامنے رکھ کر میں نے ادھر کا رخ کیا تھا وہ تو آ گئی اب بس تیرے فضل ورحمت کا انتظار ہے تو جو خیر بھی اس مرحلہ میں میرے لیے نازل فرمایئے میں اس کا محتاج ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فقیر اپنی ساری احتیاج کے باوجود کسی اور کے سامنے اس کا اظہار نہیں کرتا بلکہ صرف اپنے رب کے سامنے طالبِ مدد ہوتا ہے۔ ایسے خود دار فقیر کو اللہ تعالیٰ نے صدقات کے مصارف میں سرفہرست رکھا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (توبۃ/۶۰)

صدقات تو محض محتاجوں اور مسکینوں کے لیے ہے۔

ان مہاجرین کو بھی فقراء میں شمار کر کے مال فئے کا مستحق قرار دیا گیا ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کے مقصد سے اپنے گھروں سے مجبوراً ہاتھ جھاڑ کر نکل گئے۔ اور اگر آج بھی کوئی اس مقصد سے اپنا گھر، در اور مال و متاع چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو تو اس طرح کی تمام رعایتوں کا مستحق ہوگا۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (حشر/۸)

یہ (خاص طور سے) ان محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی املاک سے نکالے گئے ہیں، اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہوئے، یہی لوگ راست باز ہیں۔

یتیم کے مال کے تحفظ کے تعلق سے اللہ تعالیٰ بہت حساس ہے، سوائے جذبہ خیر کے اس کی طرف بھٹکنے سے بھی روکتا ہے اس لیے یتیموں کے سرپرستوں کو حکم دیتا ہے کہ اگر وہ مستغنی ہوں تو یتیموں کے مال میں سے کچھ بھی لینے سے پرہیز کریں ہاں اگر وہ خود محتاج اور ضرورت مند ہوں تو دستور کے مطابق اسی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

وَمَن كَانَ فَقِيراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (نساء/٦)

اور جو محتاج ہو تو وہ دستور کے مطابق اس سے فائدہ اٹھائے۔

مختصراً یہ کہ فقیر سے مراد ایسے خود دار اور ضرورت مند ہیں جو کسی کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار نہیں کرتے، اب یہ افراد معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ ایسے خود دار ضرورت مندوں کو ان کے چہرے بشرے سے پہچان کر ڈھونڈھنے کی کوشش کریں اور ان کے پاس خود پہونچ کر ان کی احتیاج رفع کریں۔

مسافر

انسانی سماج کا ایک اور کمزور طبقہ مسافر ہے جسے قرآن مجید ابن السبیل کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ مسافر فی نفسہٖ خواہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو اگر ضرورت پڑ جائے تو محض اپنی

مسافرت ہی کی وجہ سے مدد و اعانت کا مستحق ہے کیوں کہ یہ بہت ممکن ہے کہ سفر میں اسے کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس میں وہ بالکل ہی محتاج ہو کر رہ جائے، ایسی صورت میں اگر کوئی اس کی مدد و اعانت نہ کرے تو اسے اپنا سفر پورا کر کے گھر لوٹنا ناممکن ہو جائے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جن اعمال و افعال کو خدا کی سچی وفاداری سے تعبیر کیا گیا ہے ان میں مسافر کی مالی امداد بھی شامل ہے۔

وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ (البقرہ/۱۷۷)	اور اپنا مال اس کی محبت کے باوجود قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں ... پر خرچ کرے۔

قرآن مجید نے اس سوال کے جواب میں کہ کتنا مال خرچ کیا جائے اور کون لوگ اس کے زیادہ حق دار ہیں ان میں جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان میں مسافر بھی ہے۔

قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (البقرہ/۲۱۵)	کہہ دو جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ والدین، قرابت مندوں ... اور مسافروں کے لیے ہے۔

قرآن مجید نے سورہ نساء آیت ۳۶ میں اللہ تعالیٰ کے حق کے معاً بعد جن کمزور طبقات کے حقوق کا نام بنام ذکر کر کے ان کی ادائیگی پر زور دیا ہے ان میں مسافر کا بھی نام شامل ہے۔

وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ (النساء/۳۶)	اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین، قرابت مند اور مسافر کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اس آیت پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کو ان کمزور طبقات کے حقوق کے ساتھ مربوط کر کے یہ تعلیم دی ہے کہ جو میرا حق ادا کرے گا اسی کے اندر ان کمزور طبقات کے حقوق کی ادائیگی کا بھی حوصلہ پیدا ہوگا کیوں کہ جو لوگ خدا کا حق نہیں ادا کرتے وہ دوسروں کے حقوق بھی ادا کرنے کی توفیق نہیں پاتے۔

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں بھی اپنے حق کے ذکر کے بعد ان کمزور طبقات کے

حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے ان میں بھی مسافر شامل ہے۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ (اسرائیل/۲۶)	اور تم قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین و مسافر کا بھی۔

اس آیت میں حق کو نمایا طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ حق واجب ہے جس کی ادائیگی ہر صاحب مال کے لیے لازمی ہے اور اگر کوئی شخص اس حق کو نہیں ادا کرے گا تو عنداللہ غصب حقوق کا مجرم قرار پائے گا۔

سورہ روم میں رزق کی فراخی اور تنگی کا فلسفہ بیان کر کے شکر کا یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ سماج کے کمزور طبقات کے حقوق کو ان کا واجب الادا حق سمجھ کر ادا کرو کہ یہی خدا کی خوشنودی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے اور جسے اس کی خوشنودی حاصل ہوگئی وہی کامیاب ہوگا۔

فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (روم/۳۸)	پس قرابت دار کو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق دو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسافر کے مصائب و مشکلات اور اس کی احتیاج وضروریات کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور کمزور طبقات کے حقوق کی فہرست میں ہر جگہ اسے شامل رکھا ہے چنانچہ سورہ توبہ آیت ۶۰ میں صدقہ واجبہ کے جن مستحقین کا ذکر کیا گیا ہے ان میں مسافر شامل ہے اور پھر مال غنیمت اور مال فئے میں بھی اسے حق دار بنایا گیا ہے۔

واجبی صدقات میں مسافر کا حق

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ (توبہ/۶۰)	صدقات کے مستحق تو محض فقراء، مساکین ...اور مسافر ہیں۔

مال غنیمت میں حق

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ (انفال/۴۱)

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے لیے ہے۔

مال فئے میں حق

مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (حشر/۷)

جو کچھ اللہ نے بستیوں والوں کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹائے تو وہ اللہ اور رسول اور قرابت مندوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

بہ حیثیت مجموعی قرآن مجید کی مذکورہ آیات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کو محض اس کی مسافرت کی وجہ سے اس کی احتیاج اور اس کے مصائب و مشکلات کو بڑی اہمیت دی ہے اور یہی نہیں بلکہ ہر سطح پر اس کا حق متعین کرکے اس ادائیگی کو اپنی خوشنودی سے مربوط کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کوئی نادان ہی ہوگا جو اس کی ادائیگی سے گریز کرے گا۔

سائل

اسلامی معاشرہ کا وہ کمزور طبقہ جو اپنی ضروریات زندگی کا برملا اظہار کرتا ہو اور دست سوال دراز کرنے میں کوئی عار و عیب محسوس نہیں کرتا، قرآن مجید اسے سائل قرار دیتا ہے۔ قرآن کی رو سے ایسے سائل کا حق یہ ہے کہ جب وہ سوال کر بیٹھے تو اسے رد نہ کیا جائے بلکہ کچھ نہ کچھ لازماً دے دیا جائے اور اگر ممکن نہ ہو تو جھڑکنے اور ملامت کرنے کے بجائے شریفانہ انداز سے معذرت کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (ضحیٰ/۱۰) اور سائل کو نہ جھڑکو۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى (البقرہ/۲۶۳) دلداری کا ایک کلمہ کہہ دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آزاری لگی ہوتی ہو۔

سید سلیمان ندوی **اما السائل فلا تنهر** کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لفظ کا عموم وسعت چاہتا ہے یعنی ہر ضرورت مند جو تم سے کسی قسم کی مدد کا خواست گار ہو خواہ وہ جسمانی ہو، مالی ہو، علمی ہو، یہاں تک کہ کوئی لنگڑا تم سے صرف تمہارے کندھے کا سہارا چاہتا ہو تو وہ بھی سائل کے تحت میں ہے، اس کے سوال کو بھی سختی سے رد نہ کرو بلکہ امکان بھر اس کو پورا کرو اور نہ کر سکو تو نرمی اور خوبصورتی سے عذر کرو۔''

معاشرہ کے اس کمزور طبقہ کے حق کو اللہ تعالیٰ بڑی اہمیت دیتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں جن اعمال وافعال کو اصل دین داری اور حقیقی وفاداری قرار دیا گیا ہے ان میں سائلین کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے۔ (بقرہ/۱۷۷) اسی طرح سورہ ذاریات میں جن متقیوں کو جنت میں بڑے اعزازات اور انعام واکرام سے نوازا جائے گا ان کے اعمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (ذاریات/۱۹) اور ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہوتا تھا۔

جو لوگ آخرت میں فی الواقع جنت کے حق دار اور خدا کے الطاف وعنایات کے مستحق ہوں گے ان کے اعمال کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا:

فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ. لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (معارج/۲۵) اور ان کے مال میں سائل اور محروم کا ایک معین ہے۔

مذکورہ آیات کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر سائل کی سماج میں کوئی حیثیت نہ ہو لیکن ان کے حقوق کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی بڑی قدر وقیمت ہے اس لیے انھیں نظر انداز کرنے کے بجائے ان کے تئیں معاشرہ کو بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔

غلام

نزول قرآن سے پہلے دنیا کی معلوم تاریخ کے ہر دور میں سب سے زیادہ مظلوم و مقہور اور سب سے زیادہ کمزور و ناتواں طبقہ یہی طبقۂ غلام تھا۔ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ فاتح قومیں مفتوح قوموں کے افراد کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر محنت و مشقت کے کام لیتیں اور ان پر ہر ظلم و ستم روا رکھتیں۔ نزول قرآن کے بعد اسے فوری طور پر تو ختم نہیں کیا گیا البتہ متعدد ایسے اقدامات کیے گئے جن سے غلامی کی حوصلہ شکنی ہو اور تدریج کے ساتھ اس کے خاتمے کی طرف پیش قدمی ہوتی رہی۔

غلامی کے خاتمے کے لیے قرآن مجید نے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اپنے ابتدائی دور ہی سے غلام آزاد کرنے کو ایک بہت بڑی معاشرتی نیکی قرار دیا چنانچہ سورہ بلد میں حکم دیا گیا کہ غلام آزاد کرو کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

فک رقبۃ (بلد/۱۳) گردن چھڑانا یعنی غلام آزاد کرنا۔

قرآن مجید میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ ہی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے جس سے ان کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء/۳۶)

اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ ... اور اپنے مملوک کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

قرآن مجید غلاموں کی باز آبادکاری اور معاشرہ کے اندر ان کے اخلاقی اور معاشرتی معیار کو بلند کرنے کے لیے تمام ذی صلاحیت لونڈیوں اور غلاموں کے نکاح کا حکم دیتا ہے۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (نور/۳۲)	اور تم میں جو عورتیں بیوہ ہوں ان کے اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرو۔

اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی مہم کو زیادہ سے زیادہ تقویت پہونچانے کے لے مصارف زکوٰۃ میں ایک مستقل مد ''فی الرقاب'' متعین کردی گئی ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ (توبہ/۶۰)	صدقات تو بس محتاجوں اور مسکینوں ... کے لیے ہیں اور اس لیے کہ یہ گردنوں کو چھڑانے میں ...خرچ کیے جائیں۔

زمانہ جاہلیت میں بہت سے مالکوں نے اپنی لونڈیوں سے پیشہ کرانے کے لیے چکلے قائم کر رکھے تھے قرآن مجید نے اسے حرام قرار دیا اور حکم دیا کہ جو بھی لونڈیوں کو پیشے کرانے پر مجبور کرے گا اس کی خیر نہیں۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاء إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّناً لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (سورہ نور/۳۳)	اور اپنی لونڈیوں کو پیشہ پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ عفت کی زندگی کی خواہاں ہیں۔ محض اس لیے کہ کچھ متاع دنیا تمہیں حاصل ہوجائے اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس اکراہ کے بعد اللہ ان کے لیے غفور رحیم ہے۔

قیدیوں کے باب میں قرآن مجید کی عمومی پالیسی یہ ہے کہ سرغنوں کو قتل کیا جائے لیکن عام قیدیوں کو فدیہ لے کر یا احساناً چھوڑ دیا جائے۔ (محمد/۴)

قرآن مجید قسم (مائدہ/۸۹) ظہار (مجادلہ/۳) اور قتل شبہ عمد (نساء/۹۲) جیسی گناہوں اور کوتاہیوں کی تلافی کے لے کفارہ کا حکم دیتا ہے جس کی ایک صورت غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔ اس سے غلامی کے خاتمے کی راہ ہموار ہوگی۔ اسی طرح قرآن مجید نے مکاتبت کو قانونی درجہ دے کر تمام ذی صلاحیت غلام اور لونڈیوں کے لیے آزادی کی نہایت کشادہ راہ کھول دی۔ ان کی

امداد اور حوصلہ افزائی کے لیے عام لوگوں کو ابھارا اور بیت المال سے بھی ان کے لیے رقمیں مختص کی گئیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْراً (نور/۳۳)

اور جو مکاتبت ہونے کے طالب ہوں تمھارے مملوکوں میں سے تو ان کو مکاتب بنادو اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ۔

مذکورہ بالا تمام آیات کے جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید نے فوری طور پر تو رسم غلامی ختم نہیں کی البتہ غلاموں کی آزادی کی متعدد راہیں پیدا کیں اور کچھ ایسے قوانین وضع کیے جو بتدریج اس کے خاتمہ پر منتج ہوں۔

غارم

معاشرہ کا ایک کمزور طبقہ وہ بھی ہے جسے قرآن مجید غارم کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، غارم ایسے مقروض کو کہتے ہیں جسے تجارت میں نقصان ہوگیا ہو یا پھر کسی اور سبب سے قرض سے اس قدر گراں بار ہوگیا ہو کہ محض اپنے وسائل اور کوششوں سے سنبھلنا اور نقصان کی تلافی کر کے معمول پر آنا ناممکن ہوجائے۔ قرآن مجید کی رو سے ایسے شخص کو قرض ادا کر کے اپنی معیشت کو پھر سے منظم کرنے کے لیے زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے بھرپور مدد کی جاسکتی ہے تاکہ وہ از سر نو سنبھل کر اپنی بھرپور صلاحیتوں سے معاشرہ کو مستفید کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ (توبة/۶۰)

صدقات بس محتاجوں، مسکینوں، عاملین صدقات اور تالیف قلوب کے سزاواروں کے لیے ہیں اور اس لیے کہ یہ گردنوں کے چھڑانے کے لیے ہیں اور اس لیے ہیں کہ تاوان زدوں کے سنبھالنے میں خرچ کیے جائیں۔

اس آیت کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کمزور طبقات کی امداد اور تعاون کے لیے مستقل ایک فنڈ قائم کردیا ہے۔ اب اسلامی حکومت اور افراد معاشرہ کی ذمہ داری

ہے کہ وہ اس کے مستحقین کی اس طرح مدد کریں کہ ان کی احتیاج باقی نہ رہے اور عزت وتوقیر کی زندگی گزار سکیں۔

ان زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ مقروض کے ساتھ تعاون اور نیکی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرض خواہ اسے ادائیگی قرض میں سہولت دے اور اگر اس کے باوجود ادائیگی اس کے بس میں نہ ہو تو اسے صدقہ کر کے معاف کر دے۔ واقعہ یہ ہے کہ مقروض نے قرض چاہے کسی بھی مقصد سے لیا ہو تاہم یہ بات طے ہے کہ اس کے اپنے وسائل اس کی ضروریات اور مقاصد کی تکمیل کے لیے ناکافی تھے ورنہ وہ قرض لیتا ہی کیوں۔ اس لیے وہ قرض خواہ کی طرف سے سہولت ونرمی اور احسان و ہمدردی کا مستحق ہے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ ایک نہایت مستحسن عمل ہوگا، جس کی اس کے رب کے نزدیک بڑی قدر و قیمت ہے۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ/۲۸۰)	اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک اس کو مہلت دو اور بخش دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

مختصراً یہ کہ اگر زکوٰۃ وصدقات ٹھیک حساب کر کے نکالی جائے اور منظم طور پر مستحقین کو ادا کی جائے تو قرض سے گراں بار لوگوں کو بہت کچھ راحت پہونچائی جاسکتی ہے اور اگر قرآن کی روشنی میں قرض خواہ مقروض کو سہولت دے تو مقروض کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور قرآن کی رو سے یہی عین منشا الٰہی ہے۔

محروم

گو کہ محروم سے ہر وہ شخص مراد ہوتا ہے جو وسائل حیات سے محروم ہو اور اس میں یتیم، بیوہ، معذور، بے روزگار وغیرہ سبھی شامل ہیں تاہم اس کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ وہ شخص پہلے مالدار رہا ہو لیکن کسی افتاد نے محروم بنا دیا ہو ایسے لوگوں کے لیے قرآن نے غارمین کا لفاظ استعمال کیا ہے اور ان کو صدقات کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اس مفہوم کی تائید سورہ واقعہ کی آیت ۶۷ سے ہوتی ہے جس میں آسمانی افتاد سے کھیتوں کے تباہ و برباد ہونے کے نتیجہ میں مترفین ومستکبرین نے اپنی مکمل تباہی کے لیے جو لفظ استعمال کیا وہ محروم ہے۔

إِنَّا لَمُغْرَمُونَ. بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ (واقعہ/٦٧) بے شک ہم مقروض ہو گئے ہیں بلکہ بالکل ہی محروم ہو گئے ہیں۔

اسی طرح سورہ قلم کی آیت ۱۷ تا ۲۶ میں باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ نہایت عزم و جزم کے ساتھ رات میں یہ طے کر کے لوٹے کہ صبح تڑکے باغ کے پھل توڑ لیے جائیں گے اور باغ میں کسی فقیر و مسکین کو گھسنے کا موقع نہ دیں گے۔ ابھی وہ سوئے ہی تھے کہ کسی آسمانی عذاب نے باغ کا صفایا کر دیا اور جب وہ پھل توڑنے پہونچے تو سر پیٹ لیا اور نہایت حسرت کے ساتھ بولے کہ ہم تو بالکل ہی محروم ہو کر رہ گئے۔

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ. بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ (سورہ القلم/۲۶-۲۷) پس جب انھوں نے اسے دیکھا تو بولے بے شک ہم بھٹک گئے بلکہ ہم محروم ہو کر رہ گئے۔

سورۂ معارج آیت ۲۵ میں مخلص اور سچے نمازیوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کا ایک معین حق ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ. (معارج/۲۵) اور وہ لوگ جن کے مال میں سائل اور محروم کا ایک معین حق ہوا ہے۔

اس آیت میں محروم کا ذکر سائل کے بعد آیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرورت مند اور محروم کے باوجود دست سوال دراز کرنے کا ننگ گوارا نہ کرتے ہوں، بعض نادار ایسے خود دار ہوتے ہیں جو فاقے تو کر سکتے ہیں لیکن سوال کی ذلت گوارا نہیں کر سکتے۔ بالخصوص ایسے مصیبت زدہ جو پہلے تو صاحب حیثیت رہے ہوں لیکن پھر گردش روزگار نے انھیں نان شبینہ کا محتاج بنا دیا ہو ایسے بھی خود دار لوگ لفظ محروم کے اصل مصداق ہیں۔ ان کی مدد ان کو تلاش کر کے کرنی پڑتی ہے، کیوں کہ ان کی بلند ہمتی کسی کے آگے جھکنا گوارا نہیں کرتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات کی روشنی میں محروم اسلامی معاشرہ کا وہ کمزور طبقہ ہے جو کسی ارضی یا سماوی افتاد کا شکار ہو کر نان شبینہ کا محتاج ہو جائے لیکن اس کی خودداری دست سوال دراز کرنے کا ننگ گوارا نہ کرے ایسی صورت میں افراد معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کی تلاش

وجستجو میں رہیں اور جب مل جائے تو نہایت عجز وانکساری کے ساتھ اس کے شایان شان بھرپور طور پر اس کی مدد کریں۔

قیدی

قرآن مجید کی رو سے سماج کا ایک نہایت کمزور طبقہ قیدیوں کا ہے جس کے لیے وہ اسیر کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قید میں ہے اس سے بحث نہیں کہ وہ مسلم ہے یا کافر، جنگی قیدی ہے یا مجرم، بہر حال وہ سماج کی توجہ کا مستحق ہے۔ اب اگر کوئی شخص بڑھ کر اس بے بس اور مجبور شخص کو تعاون دیتا ہے، اسے کھلاتا پلاتا ہے اور محض رضائے الٰہی کے لیے اپنی ضروریات روک کر اس کی ضروریات کو اس ادا کے ساتھ پوری کرنے کا اہتمام کرتا ہے کہ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ تو یقیناً وہ خدا کی نگاہ میں سچا وفادار اور نیکو کار ہوگا۔ ایسے نیکو کاروں کی تحسین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً. إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوراً
(الدہر/۸-۹)

اور وہ مسکین، یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے رہے ہیں خود اس کے حاجت مند ہوتے ہوئے (اس جذبہ کے ساتھ کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے کسی بدلہ کے طالب ہیں اور نہ شکریہ کے۔

نزول قرآن کے وقت زمانہ قدیم سے یہ دستور تھا کہ قیدیوں کو ہتھکڑی اور بیڑیاں لگا کر روزانہ باہر نکالا جاتا تھا اور وہ سڑکوں یا محلوں میں بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے تھے لیکن اب جیل کے نظام میں بڑی تبدیلی آچکی ہے اس لیے گرچہ انفاق کی اب وہ اہمیت باقی نہیں رہی تاہم قیدیوں اور ان کے متعلقین کی امداد کی ایسی بہت سی صورتیں اب بھی ہیں جن میں انفاق آج بھی اسی حکم میں ہوگا۔ اس وقت جو صورت حال ہے اس میں لوگوں کو مختلف عنوان سے جیلوں میں بند کر دیا جاتا ہے اور بسا اوقات عدالتی چارہ جوئی کی راہیں بھی مسدود ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں ــ ، اور اس کے اہل وعیال جن مصائب ومشکلات کا شکار ہوتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں اور

ان حالات میں وہ ہر ممکن امداد کے مستحق ہیں۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں جو اطعام کا لفظ آیا ہے وہ محدود معنی میں نہیں بلکہ بڑے وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس کی رو سے قیدی کی رہائی سے لے کراس کی زیر کفالت اہل وعیال کی جملہ ضروریات میں ہر ممکن تعاون اطعام کے حکم میں داخل ہے اور جو شخص بھی اس تعلق سے کسی بھی قسم کا تعاون کرے گا وہ یقیناً نیکوکاروں کی فہرست میں شامل ہوکر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا مستحق ہوگا۔

بیوہ

نزول قرآن سے پہلے انسانی سماج میں بیوہ کی حالت نہایت ابتر تھی۔شوہر کے انتقال کے بعد وہ بے یارو مددگار اور بے مونس وغمخوار ہوکر رہ جاتی، کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔ یہودی مذہب میں ایک بھائی کے مرنے کے بعد دوسرے بھائی کی ملک تصور کی جاتی، ہندو مت میں شوہر کے مرنے کے بعد جینے کا کوئی حق نہ تھا، بلکہ اسے شوہر کی چتا پر جل کرستی ہوجانے کو ترجیح دی جاتی۔اگر وہ ستی نہ ہوتی تو اسے منحوس تصور کیا جاتا اور سماج میں اس کی کوئی عزت وتوقیر نہ تھی۔عربوں کے رواج کے مطابق وہ شوہر کے ورثاء کی ملکیت بن جاتی اور وہ اس کے ساتھ جو چاہتے کرتے اس میں اس کی مرضی کا دخل نہ ہوتا۔ان سے جبراً دین مہر معاف کرواتے اور اپنی مرضی سے شادی کرنے سے روکتے۔یوں اس کی زندگی اجیرن تھی۔

قرآن بیواؤں کو عقد ثانی کا حق دیتا ہے اور معاشرہ کو ہدایت کرتا ہے کہ جو بیوہ بھی نکاح ثانی کے لیے آمادہ ہو اسے حبالہ عقد میں لانے کی کوشش کی جائے اور اس راہ میں غربت بھی حائل نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے کہ نکاح فقر وغربت کے بجائے رزق وفضل میں اضافہ کا باعث ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (نور/۳۲)

اور تم میں جو عورتیں بیوہ ہوں ان اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرو۔اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔

قرآن مجید بیوہ کو زندگی بھر سوگ منانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ چار مہینہ دس دن کی حد متعین کر کے اسے یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ دستور کے مطابق اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور اس بابت کو کسی کو کسی کی ملامت کا حق نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ (البقرۃ/۲۴۰)

اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے بارے میں چار ماہ دس دن توقف کریں پھر وہ جب اس مدت کو پہونچ جائیں تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اسی طرح قانون میراث کے نزول سے پہلے بیوی کی سماجی اور معاشی مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن مجید پس ماندگان میں بیوہ چھوڑنے والے شوہروں کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ اپنی بیواؤں کے لیے ایک سال کے نان ونفقہ اور اپنے گھروں میں سکونت کی اجازت کی وصیت کر جائیں۔ ہاں اگر وہ دستور کے مطابق خود ہی نکل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ (البقرہ/۲۴۰)

اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کے نان نفقے کی گھر سے نکالے بغیر وصیت کر جائیں اور اگر وہ خود گھر چھوڑیں تو جو کچھ وہ اپنے باب میں دستور کے مطابق کریں اس کا تم پر کوئی الزام نہیں۔

قرآن مجید نے بیوی کی سماجی معاشی حیثیت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے سابق قانون وصیت کو منسوخ کر کے اسے شوہر کی جائداد میں مستقل طور پر حقدار بنا دیا ہے اس لیے اب وہ کسی کے دست نگر نہیں (اس حق نے اسے جو عزت اور وقار بخشا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔) اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا (النساء/۱۲)

اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی وہ پوری کردی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہے وہ ادا کر دیا جائے۔

بحیثیت مجموعی ان تمام آیات کے مطالعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید نے بیوہ کو نکاح ثانی کا حق اور اختیار دے کر اور شوہر کی جائداد میں مستقل طور پر حق دار بنا کر بیوہ کی نہ صرف مظلومیت اور بے بسی اور لاچاری و مجبوری کو دور کیا ہے بلکہ سماج میں اسے وہ عزت و تکریم اور وقار اعتبار بخشا ہے جس کا نزولِ قرآن سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

☆☆☆